⊙ عارفہ بیگم

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، پشاور یونیورسٹی، پشاور

⊙⊙ ڈاکٹر روبینہ شاہین

پروفیسر، شعبہ اُردو، پشاور یونیورسٹی، پشاور

جیلانی بانو کے افسانوں میں تانیثی عناصر کی عکاسی

Abstract:

Jilani Banu is a well-known contemporary fiction writer and novelist, his role in strengthening the tradition of fiction in Urdu literature is unforgettable. She not only reflected the best of social realism in her writings but also the feminism movement that was founded at the literary level for the welfare of women in the subcontinent.

Keywords:

Faminism, Feminine, Urdu Short Story, Movement, Fiction

جیلانی بانو عصر حاضر کی ایک اہم اور معروف افسانہ نگار اور ناول نگار ہے، آپ کے افسانوں میں سماجی حقیت نگاری کے ساتھ ساتھ برصغیر کی مظلوم خواتین کی مسائل کی عکاسی بھی نظر آتی ہے سماجی سطح پر خواتین کو جن مسائل اور مشکلات کا سامنا رہا اور ہے، آپ نے اس کی عکاسی بڑی عمدگی کے ساتھ اپنے افسانوں میں کی ہے۔ جیلانی بانو کے افسانوں کے اب تک دس مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں، جن کے نام کچھ یوں ہے: روشنی کے مینار، پرایا گھر، رات کے مسافر، راز کا قصہ، یہ کون ہنسا، تریاگ، نئی عورت، سچ کے سوا، بات پھولوں کی اور کن۔

اُردو ادب میں بیسویں صدی کی ابتداء میں مختلف تحریکوں کا جنم ہوا۔ ان تحاریک میں ایک تحریک تانیثیت یا فیمنزم کی تحریک بھی ہے۔ اس تحریک سے وابستہ افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں کے ذریعے برصغیر کے مرد معاشرے میں خواتین کو جینے کا ہنر سکھایا اور انہیں حالات و سماج کے رحم و کرم پر رہنے کے بجائے حالات کا مقابلہ کرنے اور سماج میں اپنی الگ شناحت قائم کرنے کا درس دیا۔ اس تحریک کے متعلق ڈاکٹر سہیل احمد کچھ یوں کہتے ہیں:

> ''تانثیت کے آغاز کیلیے اٹھارویں صدی کے اواخر کا رخ کرنا پڑے گا جب مغرب میں خواتین میں یہ شعور بیدار ہوا کہ ان کے بھی حقوق ہیں اور معاشرہ، جس پر عملاً مردوں کی حکمرانی ہے، انہیں

ان حقوق سے محروم رکھتا چلا آ رہا ہے بیسویں صدی آتے آتے عورتوں میں معاشرے میں مردوں کے مساوی مقام حاصل کرنے کا جذبہ قوی سے قوی تر ہوتا گیا''۔(۱)

تانیث کی اس تحریک کا آغاز تو یورپ سے ہوا تھا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس تحریک نے عالمی شہرت اختیار کی جس کی وجہ سے ہمارے سماج کی پڑھی لکھی عورت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، دیگر ممالک کی طرح ہمارے سماج کی عورت بھی سماجی جبر کا شکار تھی اور کبھی مذہب کے نام اور سماجی روایات کے نام پر اس جنسی، جسمانی، مالی اور معاشی استحصال جاری تھا۔ برصغیر پاک و ہند کے عورت کو اُن کے حقوق دلانے کے لیے ادبی سطح پر خواتین لکھاریوں نے آواز بلند کی اور انہوں نے اپنے ناولوں، افسانوں اور دیگر تحریروں کے ذریعے یہاں کی عورت کو بیدار کرنے کی کوشش شروع کر دی، دیگر خواتین لکھاریوں کی طرح جیلانی بانو نے بھی یہاں کے عورت کا درد محسوس کیا اور اپنے تخلیقات میں اس کی عکاسی کرنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ جیلانی بانو کے بیشتر افسانوں میں تانیثی عناصر کی عکاسی واضح نظر آتی ہے۔ اگر ان کے افسانوی مجموعوں کا جائزہ لیا جائے تو تانیثی عناصر کی عکاسی جا بجا نظر آتی ہے اس متعلق اگر جیلانی بانو کا پہلا افسانہ ''موم کی مریم'' کا جائزہ لیا جائے تو تانیثی عناصر کی عکاسی اس میں کچھ یوں نظر آتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''پیدائش پر تب دق کا شکار ہو کر مر جاوگی، ہر لڑکی ان ہی لکیروں پر دوڑتی آئی ہے مگر تم اپنی انفرادیت سے ایک نیا راستہ ڈھونڈنا چاہا، جس کی سزا میں تم پر موت و زندگی حرام ہوگئی، تم منجھلے چچا کی دسویں یا گیارھویں اولاد تھیں پھر نامراد لڑکی''۔(۲)

برصغیر پاک و ہند کے سماج میں عورت کا پیدا ہونا کسی جرم سے کم نہیں اور سماجی نفسیات کے تحت کسی بھی گھر میں لڑکی کی پیدائش کو خوش آئند خیال نہیں کیا تھا، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ابتداء میں ہمارے سماج میں عورت کا دائرہ کار صرف گھر تک محدود تھا، جس کی وجہ سے عورت کو محض روٹی کھانے کی مشین سمجھا جاتا تھا، لیکن جوں جوں سماجی سطح پر عورت کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی جانی لگی تو عورت کا دائرہ کار بھی وسیع ہوتا گیا اور اس نے بھی اپنے لیے نئے میدانوں اور راہوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا، لیکن ایسے سماج میں جس میں مرد کی بالادستی برسوں سے قائم ہو، عورت کے لیے ان نئی راہوں اور وسعتوں تک پہنچنے کا سفر آسان نہیں تھا۔ عورت کی اس رجائیت نے اُسے ایک ایسے جہد مسلسل سے روشناس کر دیا جس کا نقطہ اختتام بہت دور تھا، عورت کے جہد مسلسل کی عکاسی جیلانی بانو اپنے افسانے ''روشنی کے مینار'' میں کچھ یوں کرتی ہے:

''بڑھیا کے جسم پر بھی کپڑوں کی دھجیاں لپٹی ہوئی تھیں، مگر وہ اپنا پھٹا ہوا پلو ڈال کر بے ہوش عورت کے برہنہ پیٹ کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی''۔(۳)

ہندوستانی سماج میں جہاں معاشی طور پر فرقہ بندی ہے وہی سماجی اور مذہبی سطح پر بھی فرقہ بندی اور فرقہ پرستی رائج ہے اس کی وجہ سے سماجی یا سیاسی سطح پر اکثر ٹکراو کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جب بھی اس قسم کے حالات پیدا ہوتے ہیں تو ان میں سب سے زیادہ نقصان عورتوں کا ہی ہوتا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کا بٹوارہ ہوا تو انتشار اور افراتفری میں بہت سے لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، جن میں اکثریت عورتوں کی تھی، اس بٹوارے میں نہ صرف عورتوں کا قتل کیا گیا بلکہ اُن کا جنسی استحصال بھی کیا گیا، عصر حاضر میں بھی یہ روش جاری ہے یہی وجہ ہے کہ سماجی سطح پر عورت کا نہ صرف مالی، معاشی اور بدنی استحصال کیا جاتا ہے بلکہ اس کا جنسی استحصال بھی کیا جاتا ہے جنسی درندے گدھ کی طرح عورت کے جسم پر

نظر مرکوز کئے ہوتے ہیں اور موقع ملنے کی تاک میں ہوتے ہیں، ان کے لیے عورت کی حیثیت کسی جاندار کی نہیں ہوتی بلکہ محض گوشت کے ایک لوتھڑے کی سی ہوتی ہے جس سے یہ اپنے جنسی جذبے کی تسکین کا کام لیتے ہیں، جیلانی بانو اس کی عکاسی اپنے افسانے ''سچ کے سوا'' میں کچھ اس طرح کرتی ہیں:

''چاقوؤں کو سان پر گھسنے کی آواز سے تنگ آ کر کینڈے نے کہا''بس کرو یار تمہیں آدمیوں کو کاٹنا ہے یا بھینس بکریوں کو؟ ارے نازک سے عورتوں پر تو ایک وار ہی کافی ہوتا ہے''۔ ہاں لیکن میں نازک سی عورتوں پر وار ہی کب کرتا ہوں۔ کتا ہنسنے لگا۔ کتا بڑا ندیدہ تھا، عورت کو دیکھتے ہی اس کی رال ٹپکنے لگتی، گرو کی ساری ہدایتیں بھول کر اس پر ایک ہی دھن سوار ہوتی کہ کسی طرح عورت کو اُٹھا کر طویلے کی طرف بھاگے''۔ (۴)

تانیثی تحریک نے ہندوستانی عورت کو اپنے حقوق کے لیے آواز اُٹھانے کی ترغیب دی انہیں ظلم اور جبر کے خلاف آواز اُٹھانے کا حوصلہ عطا کیا اسی طرح جیلانی بانو بھی ہندوستانی سماج میں عورتوں کے حقوق کی علمبردار ہے، ایک عورت ہونے کے ناطے انہیں ہندوستانی عورت کے دکھ کا اچھی طرح احساس ہے، مرد عورت کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر اسے جس طرح سے استعمال کر رہا ہے، اس سے یہ بخوبی آگاہ ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے افسانوں میں نہ صرف عورتوں کے حقوق کے لیے آواز اُٹھائی ہے بلکہ سماجی سطح پر ہر اُس عورت کو اپنا آئیڈیل کہا ہے جو عورتوں کے حقوق کے لیے سرگرم عمل ہوتی ہے، اس متعلق جیلانی بانو کچھ اس طرح سے لکھتی ہے:

''میرے دل میں اُس لڑکی کے لیے بڑی عقیدت تھی جو پہاڑوں کی کھوہ میں چھپی اپنے حقوق کی لڑائی جیت رہی تھی میرے آس پاس جب کوئی باپ بیٹی کو جہیز نہ دینے پر خودکشی کر لیتا ہے جب کوئی ماں بیٹی کی پیدائش پر آنسو کی دھار نہ روک سکتی، جب کوئی شوہر تین بار زبان ہلا کر بیوی پر موت اور زندگی حرام کر دیتا ہے، وہ لڑکی میرے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے، وہ جواں ہمت کنواری لڑکی، جو رسموں روایتوں، سماج اور مذہب کے سپاہیوں سے بیک وقت نپٹ رہی تھی، وہ آئیڈیل لڑکی میرے خیالوں میں بس گئی تھی''۔ (۵)

موجودہ دور میں اگرچہ سماجی نفسیات اور انسانی رویوں میں بڑی تبدیلی آئی ہے اور مغربی سماج میں عورتوں کے حوالے سے مردوں کا رویہ اگرچہ کافی حد تک تبدیل ہو گیا ہے لیکن ہمارا سماج اب بھی اس لحاظ سے کافی پیچھے ہے آج کے دور اگر کوئی عورت گھر سے نکلتی تو سماج والوں کی نظر میں وہ عورت اچھے کردار کی حامل نہیں ہوتی اسی طرح اگر ایک عورت نوکری کرتی ہے اور باعزت طریقے سے پیسے کمانے کی کوشش کرتی ہے تو تب بھی انہیں بے راہ روی کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی جاتی ہے، انہیں طرح طرح سے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے اور ان سے ناجائز مطالبات کئے جاتے ہیں گدھ کی طرح مردار خور اوباش گلی کی ایک نکڑ سے دوسرے موڑ تک ان کو تاڑتے رہتے ہیں، ہمارے سماج میں جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو پہلے پہل تو اُنہیں اُس شک کو دور کرنا ہوتا ہے جو اس کے کردار کے متعلق اُس کے گھر والوں کے دلوں میں موجود ہوتا ہے حالانکہ اسی گھر سے جب کوئی مرد نکلتا ہے تو اُس سے اُس کے کردار کا سرٹیفکیٹ کوئی طلب نہیں کرتا، اسی طرح عورت کو پارسا بن کر اپنے گلی محلے والوں کو بھی اپنی پاک دامنی کا ثبوت دینا ہوتا ہے جیلانی بانو نوکر پیشہ عورت کے پیشہ ورانہ مشکلات اور

مردوں کے نامناسب ہوس پرستانہ رویوں کی عکاسی اپنے افسانے ''ایک دن لیبر روم میں'' میں کچھ اس انداز میں کرتی ہیں:

> ''عورت کا گوشت کاٹنے والا چاقو، رگیں چیرنے والی قینچی، اور بے ہوش کرنے والی دوائیں تھامے، میں دن بھر لیبر روم میں کھڑی رہتی ہوں، ڈاکٹر ریڈی کا کام ہے کہ وہ مریض کی ابتدائی رپورٹ تیار کریں مگر ان روتی چلاتی ہوئی عورتوں سے بور ہو کر وہ مجھے گھورتے رہتے ہیں ان کی مکھی کی طرح بھنبھنائیہوئی نظروں کو جھٹک کر میں پھر عورت کی طرف مڑ جاتی ہوں''۔(۶)

رب کائنات نے انسان کی تخلیق کا ہنر اور فن عورت کے جسم سمویا ہے کائنات کی رنگینیوں اور رعنائیوں کا تعلق عورت ہی کے ذات سے ہے لیکن ہمارے سماج کا المیہ دیکھیے کہ یہی عورت جب اپنے ہی ہم جنس کو جنم دیتی ہے تو انہیں اس فعل کے لیے قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے، شادی کے بعد کے اگر کسی عورت کے ہاں نرینہ اولاد کی پیدائش نہیں ہوتی تو انہیں منحوس سمجھا جاتا ہے، مرد عورت کو بیوی کے روپ میں تو قبول کرسکتا ہے لیکن بیٹی کے روپ میں اُس کو قبول نہیں کرتا، اسی طرح ایک مرد ایک پرائی عورت سے سمبندھ بنا کر خوش ہوتا ہے لیکن جب اُس کی اپنی بیوی کسی غیر مرد کے ساتھ اس فعل کا ارتکاب کرتی ہے تو اُس کی انا کا مسئلہ بن جاتا ہے پھر وہی مرد عادل اور پارسا بن عورت کے ماتے پر بدنامی کا ٹیکہ لگا کر اُسے سنگسار کر دیتا ہے، جیلانی بانو اپنے افسانہ ''ایک دن کیا ہوا'' میں سماج میں مردوں کے اسی رویے کی عکاسی کی ہے، اس افسانے کا کردار قیصر، نوری سے نکاح تو کر لیتا ہے لیکن شاردا کی محبت اُس کے دل سے نہیں نکلتی، اُس کے لیے بیوی محض جنسی تسکین کا ذریعہ تو ہے لیکن زندگی کی رفیق اور ہمدرد نہیں، قیصر اپنی وفاشعار بیوی نوری کو چھوڑ کے شاردا کے پاس جاتا ہے، اس بات پر نہ سماج اُسے ملامت کرتا ہے اور نہ خود اُس کا اپنا ضمیر لیکن اُلٹا اُس کی بیوی کو ہی وفاشعاری کا درس دیا جاتا ہے، اس متعلق اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''دو بچوں کا باپ ہو گیا، مگر شاردا کے گھر کے پھیرے نہیں چھوڑے، ہر وقت شاردا کی کے قسمت پر افسوس کیا جاتا ہے کہ اس کا شوہر بڑا تنگ نظر ہے، کنجوس ہے، نوری کو شاردا کے شوہر کی شرافت پر غصہ آتا، بے شرم ڈرپوک کہیں کا''۔(۷)

ہمارے سماج میں شادی کے بعد خاندانی رشتوں کو مضبوط رکھنے کی تمام تر ذمہ داری عورت پر ہی ہوتی ہے، عورت کو ہر حال میں خاندانی روایات اور خاندانی رشتوں کا بھرم رکھنا ہوتا ہے، اگر ایک عورت خاندانی روایات سے بغاوت کر لیتی ہے تو اُس کے گھر اور خاندان کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتے ہیں سب سے بڑی ستم ظریفی تو یہ ہے کہ موجودہ جدید دور میں بھی عورت کو اپنے مرضی سے زندگی گزارنے کا حق حاصل نہیں اگر عورت اپنے زندگی کے متعلق کوئی فیصلہ کرتی ہے تو اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، شادی بیاہ کا معاملہ جو لوگوں کی زندگیوں میں نہایت ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار بھی عورت کے پاس نہیں ہوا، اگر کسی رشتے کے بارے میں پسند ناپسند کا اظہار عورت کرتی ہے تو ساری زندگی اسے بے شرمی اور بے حیائی کے طعنے سننے پڑتے ہیں۔ جیلانی بانو نے اپنے افسانوں میں سماج کے اس دقیانوسی رویوں اور روایات کے خلاف بھی آواز اُٹھائی ہے، انہوں نے اپنے افسانے ''موم کی مریم'' کردار قدسیہ کی صورت میں اُس سماجی عورت کی عکاسی کی ہے جو خاندان کے روایات سے بغاوت کر کے اپنی مرضی کی شادی کر لیتی ہے۔ قدسیہ کے یوں شادی کرنے پر خاندان کے تمام افراد اُس سے تعلق ختم کر دیتے ہیں اسی طرح افسانہ ''دیوداسی'' کردار ''ملکہ'' محض خاندانی روایات کے تحت اپنی محبت کو قربان کر دیتی ہے، اسی طرح ایک افسانہ ''روز اک قصہ'' میں بھی شوہر کا رویہ اپنی بیوی کے ساتھ مناسب نہیں ہوتا، اس افسانے میں کردار بھاسکر اپنی بیوی ڈراتا دھمکاتا ہے

اپنی بیوی کو کسی اور کے سامنے آنے نہیں دیتا لیکن خود اپنی محبوبہ ''رانی'' کے ساتھ دل بہلاتا ہے اسی طرح افسانہ ''ایش ٹرے میں سلگتا ہوا سگریٹ'' میں بھی شوہر اپنی بیوی کی طرف سے بے زاری کا مظاہرہ کرتا ہے، اس افسانے کا اقتباس ملاحظہ کریں:

''جب شادی نہیں ہوئی تھی تو شمع کا اپنا ایک چہرہ تھا اپنے خواب تھے، اپنا خدا تھا مگر اب وہ مصری کی ڈلی بن کر پانی میں گھل چکی تھی اُس کا اپنا کوئی مزہ تھا نہ وجود۔۔۔ ہر بات اسی کے لیے کرتی، اسی کے لیے سوچتی۔۔۔ آپی ٹھیک کہتی ہیں کہ مرد۔۔۔ شادی کے بعد شمع کی ایک حس بڑھ گئی ہے نوید جو کچھ سوچتا ہے وہ محسوس کرتی''۔ (۸)

دور حاضر میں سماجی اور اخلاقی برائیوں نے جس طرح ہمارے سماج کی صورت مسخ کر دی ہے، اُسی طرح ہماری زندگی کے ہر شعبے کو بھی متاثر کیا ہے، تعلیم کا شعبہ ہمارے سماج میں بڑا معتبر مانا جاتا ہے لیکن ہوس کے پچاریوں نے اس شعبے کے اقدار کو پامال کر دیا ہے، یہ شعبہ کو کبھی پاکیزہ اور مقدس مانا جاتا تھا۔ آج اس کے کردار پر بھی انگلیاں اُٹھنے لگی ہیں، بعض خداوندِ مکاتب اپنے پیشے کے تقدس کو پامال کر کے جنسی ہوس کے پچاری بن گئے ہیں، معصوم طلبا کی ذہن سازی کرنے کے بجائے انہیں اپنے جنسی ہوس کا شکار بنا رہے، موجودہ دور میں اگر دیکھا جائے تو تدریسی شعبہ میں سب سے زیادہ طالبات کا ہی جنسی استحصال ہو رہا ہے، جیلانی بانو نے مقدس قبا پہنے ہوئے ان جنسی درندوں کی عکاسی بھی اپنے افسانے ''پیاسی چڑیا'' میں بڑی عمدگی کے ساتھ کی ہے، اسی طرح ان کے دیگر افسانوں تماشہ، گڑیا کا گھر، نِنکما، بھنور اور چراغ، چوری کا مال، سونا آنگن، چوری کا مال، آئینہ، کلچرل اکیڈمی، اجنبی چہرے، کلچرل اکیڈمی، آگہی، بے مصرف ہاتھ، چابی کھوگئی، دل اے دل وغیرہ ایسے افسانے ہیں جن میں تانیثی عناصر کی عکاسی اور بھی واضح طور پر نظر آتی ہے، جیلانی بانو نے اپنے افسانوں میں تانیثی عناصر کی عکاسی بڑی عمدگی کے ساتھ کی ہے اور اس کی خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے فن کو مقصد پر قربان نہیں کیا بلکہ فن اور مقصد میں ایسا توازن رکھا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حسن میں اضافہ کا باعث بن رہے ہیں، جیلانی بانو کی تانیثیت پر بات کرتے اقرا توحید لکھتی ہیں:

''تانیثیت کے زیر اثر جیلانی بانو نے اپنی کہانیوں کو اس مہارت سے پیش کیا ہے کہ اُن کی شخصیت اُن کے اسلوب کے ذریعے اور بھی نکھر کر سامنے آ گئی، ان کے موضوعات، ان کی انفرادیت کو دلکش انداز میں سامنے لاتے ہیں''۔ (۹)

جیلانی بانو نے اپنے افسانوں میں تانیثیت کے پامال موضوعات کو بیان کرنے بجائے جدید اور انوکھے موضوعات بیان کی ہیں ان کے افسانے کسی خاص ڈگر پر نہیں چلتے، بلکہ قدم قدم پر قاری کو نئی وسعتوں سے ہمکنار کرتا ہے، جیلانی بانو عورت کی شخصیت اور نفسیات کو بڑی خوبی اور دلکشی کے ساتھ بیان کیا۔ عورت کے حقوق کو جس جس طرح سلب کیا جا رہا ہے اس کی عکاسی جیلانی بانو نے بڑی عمدگی کے ساتھ اپنے افسانوں میں کی ہے روایات کے نام، رشتوں کے نام پر، مذہب کے نام اور خاندان کے نام پر عورت کو جس طرح اپنے ارمانوں کا خون کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، اس کی عکاسی جیلانی بانو نے خوب کی ہے جیلانی بانو نے عورت کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی جس طرح اپنے افسانوں میں کی ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عورت صرف گھریلوں کام کرنے کی مشین نہیں اور نہ ہی کوئی روبوٹ ہے جو جذبات اور احساسات سے خالی ہو بلکہ عورت ایک جیتی جاگتی انسان ہے جس کے دل میں بھی وہی خواہشات اور احساسات موجزن ہیں جو مرد کے دل میں ہیں، جیلانی بانو نے

عورت کی شخصیت کو ہر زاویے سے قاری کے سامنے پیش کیا اس متعلق ڈاکٹر عرفان منشی لکھتے ہیں:

> ''جیلانی بانو کا اصلی اور خاص میدان عورت کا مطالعہ ہے وہ موجود مردوں کے معاشرے میں عورت کو مختلف پہلوؤں سے دیکھتی ہے اور عورت کی شخصیت کے مختلف رنگ اُبھرتے ہیں کوئی بھی عورت خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، نچلے طبقے سے تعلق رکھتی ہو یا آسودہ حال امیر گھرانے کی ہو گھر میں رہنے والی عورت ہو یا کسی پیشے سے وابستہ ہو، پڑھی لکھی ہو یا غیر پڑھی لکھی ہو یا غیر تعلیم یافتہ ہوں عورت کا کوئی بھی روپ ہو، جیلانی بانو اپنے دل کے آئینے میں اسے دیکھتی ہیں''۔ (۱۰)

مجموعی طور پر اگر جیلانی بانو کے افسانوں میں تانیثیت پر بات کی جائے تو تانیثیت کے جتنے بھی عناصر ہے اُن کی عکاسی ان کے افسانوں میں نظر آتی ہے۔تانیثیت کے جتنے بھی اقسام ہیں چاہے وہ مارکسی تانیثیت ہو یا سوشلسٹ تانیثیت، تحلیل نفسی تانیثیت ہو یا سیاہ فام تانیثیت ،مشرقی تانیثیت ہو اور یا پھر مغربی تانیثیت غرض تانیثیت کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس کی عکاسی جیلانی بانو نے نہیں کی، جیلانی بانو کا مشاہدہ گہرا اور دقیق ہے زندگی کا کوئی پہلو اُس کی زندگی سے اُوجھل نہیں انہوں نے ہمارے سماج عورت کا استحصال جس رنگ اور جس روپ میں بھی دیکھا ،اُس کی عکاسی اپنے افسانوں میں کی ہے جیلانی بانو کے افسانوں کا مطالعہ کرنے سے عورت کی شخصیت ،مزاج اور اُس کے نفسیات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے،ان کے افسانوں میں تانیثی عناصر کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عورت کا استحصال صرف ظاہری صورتوں میں نہیں بلکہ باطنی اور نفسیاتی طور پر بھی ہو رہا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سہیل احمد،منتخب ادبی اصطلاحات،(لاہور:شعبہ اردو،جی سی یونیورسٹی،۲۰۰۵ء)،ص ۸۷

۲۔ جیلانی بانو،موم کی مریم،مشمولہ:روشنی کے مینار،(لاہور: نیا ادارہ،۱۹۵۸ء)،ص ۲۲

۳۔ جیلانی بانو،روشنی کے مینار،مشمولہ: روشنی کے مینار،ص ۲۰۳

۴۔ جیلانی بانو،سچ کے سوا،مشمولہ:مجموعہ جیلانی بانو افسانے،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۷ء)،ص ۴۷

۵۔ جیلانی بانو فن اور شخصیت (آپ بیتی نمبر)،جلد اول،شمارہ ۷،ستمبر ۱۹۷۸ء،اشاعت مارچ ۱۹۸۰ء،ص ۴۳۔۲۴۲

۶۔ جیلانی بانو،ایک دن لیبر روم میں،مشمولہ: سچ کے سوا،(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۱۹۹۷ء)،ص ۱۵۳

۷۔ جیلانی بانو،ایک دن کیا ہوا،مشمولہ:پرایا گھر،(حیدرآباد: اُردو مرکز،دسمبر ۱۹۷۹ء)،ص ۱۰۹

۸۔ جیلانی بانو،ایش ٹرے میں سلگتا ہوا سگرٹ،مشمولہ: مجموعہ جیلانی بانو افسانے،ص ۱۴۴

۹۔ اقرا توحید، جیلانی بانو کے افسانوی کردار،(لاہور:فکشن ہاوس،۲۰۱۸ء)،ص ۲۲۳

۱۰۔ عرفان منشی،جیلانی بانو (حیات اور کارنامے)،(سری نگر: پوسٹ گریجویٹ ڈیپارٹمنٹ آف اُردو،کشمیر یونی ورسٹی،۲۰۰۵ء)،ص ۱۲۳